حضرت مولانا سید تصدق بخاری

سرسیّد اپنی تحریرات کے آئینہ میں

سرسید احمد خان کے سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ ایل ۔ ایل ۔ ڈی متوفی ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء
موافق ۱۳۱۵ھ کے عقائد و نظریات اور دینی و فکری شعور کے بارے میں اس دور کے ارباب علم و
دانش نے بھرپور تعاقب کیا تھا اور ان کی تفسیر کے خرافات و لغویات اور عقائد باطلہ سے اہل اسلام
کو خبردار کر دیا تھا مگر بدقسمتی سے بعض حلقے پھر سے سرسید کی دینی فکر کے علمبردار بن کر ان کی تفسیر قرآن
کو از سر نو عمدہ ترین زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پہ لا رہے ہیں اور ان کے نظریات و
عقائد کے پرچار کو ایک دینی مشن باور کر کے ہمہ تن مصروف کار ہو گئے ہیں ایسے حالات میں جناب
سید تصدق بخاری کی یہ تحریر یقیناً اہل زیغ و ضلال کے لیے باعث ہدایت اور اہل اسلام کیلئے
باعث تنبیہہ و انذار ثابت ہوگی ۔ ادارہ

حقیقت یہ ہے کہ سرسید، جنت ، دوزخ ، فرشتوں کی مخلوق ، جنوں کی مخلوق ، معجزات ، کرامات وغیرہ سے منکر ہیں ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سرسید کی تفسیر القرآن ، مقدمہ تفسیر حقانی ، تاریخ معتزلہ ، از زہدی حسن ۔ سرسید کی تفسیر القرآن جسے تحریف القرآن کہنا زیادہ موزوں ہے سے چند اقتباسات بقرار زیر ملاحظہ ہو ۔

سرسید جنت و دوزخ کی مخلوق ہونے کا منکر ہے

ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وھم فیھا خالدون (البقرہ ۲۳) کے تحت سرسید نے لکھا ہے ۔

پس یہ مسئلہ کہ بہشت اور دوزخ دونوں بالفعل مخلوق و موجود ہیں قرآن سے ثابت نہیں ۔
(تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۱)

جنت و نار کی جو چیزیں بیان ہوتی ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں نہ حقیقت تاکہ جو چیز ہمارے پاس ہے اسی سے اس چیز کا جو ہم سے پوشیدہ ہے کچھ خیال ہو ۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۶)

وعدہ وعید دوزخ و بہشت کے، جن الفاظ سے بیان ہوتے ہیں ان سے بعینہ وہی اشیاء مقصود نہیں ، بلکہ

اس کا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسان کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں ایک بے انتہا عمدگی نعیم جنت کی، اور ایک ترغیب اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے اور ایک کوڑ مغز ملّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی، شراب پئیں گے، میوے کھائیں گے، دودھ و شہد کی ندیوں میں نہائیں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑائیں گے، اور اس لغو بیہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۵)

اس امر کے ثبوت کے لیے نئے مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا۔ نہ واقعی ان چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا۔ ایک حدیث[1] کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے بریدہ سے روایت کی ہے۔ اس میں بیان ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا آپ نے فرمایا کہ سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہے گا اُڑتا پھرے گا پھر ایک شخص نے پوچھا کہ وہاں اونٹ ہوگا آپ نے فرمایا کہ وہاں جو کچھ چاہو گے سب کچھ ہوگا۔ پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ موجود ہوں بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اس اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے جو ان کے خیال اور ان کی عقل و فہم و طبیعت کے مطابق اعلیٰ درجہ کی ہو سکتی تھی۔ اس کی مانند اور بہت سی حدیثیں ہیں۔ اور اگر ان سب کو صحیح مان لیا جائے تب بھی کسی کا مقصود ان اشیاء کا بعینہٖ بہشت میں موجود ہونا نہیں ہے بجز اس کے کہ جہاں تک انسان کی عقل و طبیعت کے موافق اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا ہو سکے وہ پیدا ہو۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۴)

پس بہشت کی قرۃ اعین (حوریں) کو ان فطری راحتوں کی کیفیت کی تشبیہ ہے اور دوزخ کے مصائب کو آگ میں جلنے اور لہو پیپ پلائے جانے اور کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی راحت و لذت یا سخت سے سخت عذاب وہاں موجود ہے۔ اور حقیقت جو لذت و راحت یا رنج و کلفت کی وہاں ہے، ان کو اس سے کچھ بھی مناسبت نہیں ہے یہ تو صرف ایک اعلیٰ

[1] عن بریدۃ ان رجلا قال یا رسول اللہ هل فی الجنة من خیل قال ان اللہ ادخلك الجنة فلا تشاء ان تحمل فیها علی فرس من یاقوته حمراء یطیر بك فی الجنة حیث شئت الا فعلت وساله رجل فقال یا رسول اللہ هی فی الجنة من ابل قال فلم یقل له ما قال لصاحبه فقال یدخلك اللہ الجنة یکن لك فیها ما اشتهت نفسك ولذت عینك۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ)

راحت و احتظاظ یا رنج و کلفت کا خیال پیدا کرنے کو اس پیرایہ میں جس میں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ و رنج کو خیال کر سکتا تھا بیان کیا ہے۔

یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں سرسبز و شاداب درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے ساقی (حور و غلمان) نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے، جو ہمارے ہاں کی پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں، ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران کے اوپر سر دھر لیا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے، ایک نے لب جان بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے، کوئی کسی کونے میں کچھ۔ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ (تفسیر القرآن صہ ۲۳ ج ۱)

فرشتوں کے مخلوق ہونے کا انکار

ملائکہ کا اطلاق ان قدرتی قوا پر جن سے انتظام عالم مربوط ہے، اور ان شیون قدرت کاملہ پروردگار پر جو اس کی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہیں ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۱۲۹)

اس سے ثابت ہے کہ اس ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۲۵)

خدا اور پیغمبر میں بجز ملکۂ نبوت کے جس کو اکبر ناموس اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے وہ خود ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس لے جاتا ہے اور خدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۲۴)

قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا۔

(تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۴۲)

جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۴۲)

اور یہ سب کام اس فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مثل دیگر قوائے انسانی کے انبیاء میں بمقتضائے ان کی فطرت کے پیدا کی ہے اور وہی قوت ناموس اکبر ہے، اور وہی جبرئیل پیغامبر۔

(تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۲۵)

سرسید بدر کی لڑائی میں فرشتوں کی آمد کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ان لڑائیوں میں ایسے فرشتے جن کو لوگ ایک مخلوق جداگانہ اور متحیز بالذات مانتے ہیں،

آتے تھے اور نہ خدا نے ایسے فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اور نہ قرآن مجید سے ایسے فرشتوں کا آنا یا خدا تعالیٰ کا ایسے فرشتے بھیجنے کا وعدہ کرنا پایا جاتا ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۹)

فما لبث ان جاء بعجل حنذ (هود ۷۲) کے تحت لکھتے ہیں۔

پس ان تمام حالات سے نہ تو ان تینوں شخصوں کا فرشتہ ہونا پایا جاتا ہے اور نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا بلکہ اس طرف قرینہ قیاس زیادہ ہے کہ ان امروں کے بعد انہوں نے کھانا کھایا ہو اور خدا نے ان کو جو دو جگہ ضیف ابراہیم کر کے بیان کیا ہے یہ قرینہ قوی ہے کہ انہوں نے کھانا بھی کھایا اور حضرت ابراہیم کی ضیافت قبول کی۔ (تفسیر القرآن ج ۵ ص ۲۵)

تمام علمائے اسلام اس کو ایک مخلوق جداگانہ خارج از خلقت اس کو بطور ایلچی کے خدا و نبی کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں اور جبرئیل اس کا نام بتاتے ہیں، ہم بھی جبرئیل اور روح القدس کو شے واحد یقین کرتے ہیں مگر اس کو خارج از خلقت انبیاء مخلوق جداگانہ تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ خود انبیاء کی خلقت میں جو ملکہ نبوت ہے اور جو ذریعہ روح مبدا فیاض سے ان امور کے اقتباس کا ہے جو نبوت یعنی رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں وہی روح القدس ہے اور وہی جبرئیل۔ (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۵۶)

جنوں کی مخلوق ہونے کا انکار

تمام علمائے اسلام نے جنوں کی جداگانہ ایسی ہی مخلوق قرار دی ہے جیسے کہ انسان کی مگر قرآن مجید سے جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا ثبوت نہیں۔ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۵۹)

جس طرح جنوں کی مخلوق کو مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے ایسی مخلوق کا قرآن مجید سے ثبوت نہیں۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۶۲)

سورہ سبا ۱۳ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:۔

ان آیتوں میں جو جن کا لفظ آیا ہے اس سے وہ پہاڑی و جنگلی آدمی مراد ہیں جو حضرت سلیمان کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے اور جن پر یہ سب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسانوں سے جنگلوں میں چھپے رہتے ہیں اور نیز یہ سب قوی اور طاقتور اور محنتی ہونے کے جن کا اطلاق ہوا، پس اس سے وہ جن مراد نہیں ہیں جن کو مشرکین نے اپنے خیال میں ایک مخلوق مع ان اوصاف کے جو ان کے ساتھ منسوب کئے ہیں مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں۔ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۶۸)

امیروں سے سود لینا حلال ہے

ان کے سوا وہ لوگ ہیں جو ذی مقدور اور صاحب دولت و جاہ و حشمت ہیں اور اپنے عیش و آرام کے لیے روپیہ قرض لیتے ہیں جائدادیں مول لیتے ہیں مکان بناتے ہیں اور قرض۔ روپیہ لے کر چین اڑاتے ہیں، گو ان کو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو مگر ان سے سود

لینے کی حرمت کی کوئی وجہ قرآن مجید کی رو سے مجھ کو نہیں معلوم ہوئی اسی طرح بہت سے معاملات قرضہ کے ہیں جو تجارت کے کاروبار میں پیش آتے ہیں اور ایسے بینکوں کے قائم ہونے سے سود پر تجارت کے مقاصد کے لیے روپیہ قرض دیتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ روپیہ پہنچا دیتے ہیں اور ہر قسم کی آڑھتوں کا کام کرتے ہیں اور جن سے تجارت کو اور ترقی ملک اور افزونی آبادی کو نہایت امداد پہنچتی ہے ان معاملات میں جو سود کو لیا دیا جاتا ہے مجھ کو قرآن مجید کی رو سے اس کے ایسا ربا ہونے کی جس کو اس آیت میں حرام کیا ہے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

(تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۲۴۳)

غریبوں سے سود لینا حرام ہے

پس قرینہ مقام وظرف کلام سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس آیت میں انہیں لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مسکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اسی سود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا قابل رحم اور ہمدردی اور سلوک کرنے کے تھے، خدا نے حرام کیا اور فرمایا۔ حرم الربا۔ وہی ربا حرام کیا گیا ہے جو ایسے غریب و محتاج آدمیوں سے لیا جاتا تھا جو کھانے کے محتاج تھے۔

(تفسیر القرآن ج ۱ صہ ۲۴۳)

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے متعلق سرسید کہتے ہیں کہ ان کا باپ تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کا باپ تھا

بطریق اعجاز حضرت عیسیٰ کے بن باپ کے پیدا ہونے پر معجزہ کا بھی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر القرآن ج ۲ صہ ۱۵)

پس کوئی وجہ اس بات کے خیال کرنے کی نہیں ہے کہ یوسف فی الواقع حضرت مسیح کے باپ نہ تھے۔

(تفسیر القرآن ج ۲ صہ ۲۰)

قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں بیان ہوا کہ وہ بن باپ پیدا ہوتے تھے۔ جہاں تک کہ اشارہ ہے حضرت عیسیٰ کے روح القدس اور کلمۃ اللہ ہونے کا اور (وہ) حضرت مریم کی عصمت وطہارت کا اشارہ ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۲ صہ ۲۵)

آیت للناس کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیح کو بغیر باپ کے بطور ایک نشانی معجزہ کے پیدا کیا تھا محض بیجا ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۲ صہ ۲۸، ج ۲ صہ ۳۲، ج ۲ صہ ۳۴)

حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے نہ سنگسار کرکے قتل کیا نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجے اور مرتبہ کو مرتفع کیا۔ رفع کے لفظ سے حضرت عیسیٰ کی قدر ومنزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ ان کے جسم کو اٹھا لینے کا۔ (بقیہ صفحہ ۵ پر)